آزاد کشمیر: 'شاردا مندر' کے مضمرات

افتخار گیلانی

گذشتہ دنوں خبر آئی کہ'' پاکستانی پنجاب میں گوردوارہ کرتار پور کے درشن کی خاطر، سکھ عقیدت مندوں کے لیے ایک راہداری کی منظوری کے بعد اب پاکستانی حکومت، جموں وکشمیر میں لائن آف کنٹرول کے پاس ہندو زائرین کے لیے 'شاردا پیٹھ مندر' جانے کے لیے بھی ایک کوریڈور کھولنے پر غور کر رہی ہے''۔ اس کے مضمرات کا جائزہ لیے بغیر، لائن آف کنٹرول کے دونوں طرف، خصوصاً آزاد کشمیر میں اپنی روشن خیالی ثابت کروانے والوں کی باچھیں کھل گئیں۔ نئی دہلی اور اسلام آباد میں بھی کریڈٹ لینے کے لیے ماحول خاصا گرم ہوا۔ بھارتی وزارت خارجہ نے ذرائع کے حوالے سے بیان داغا کہ: ''کرتار پور اور شاردا کو زائرین کے لیے کھولنے کی تجویز تو بھارت نے کئی عشرے قبل پیش کی تھی، مگر اسلام آباد ہی ٹالتا رہا تھا''۔

کرتار پور سکھوں کے لیے ایک مقدس مقام ہے۔ مگر پچھلے ایک ماہ سے بھارت اصرار کر رہا تھا کہ گوردوارہ کرتار پور جانے کے لیے سبھی بھارتی شہریوں کو راہداری ملنی چاہیے۔ آخری اطلاعات کے مطابق پاکستان نے اس شرط کو منظور کر لیا ہے۔ ان سے نہیں پوچھا کہ آخر کیرالا میں گورو دہار، اڑیسہ میں جگن ناتھ، اتر پردیش میں کاشی وشوا ناتھ جیسے بے شمار مندروں میں غیر ہندوؤں کا داخلہ کیوں ممنوع ہے؟

پھر بھارتی وزارت خارجہ نے کہا ہے کہ: ''جب شاردا پر بات چیت کا عمل شروع ہو جائے گا، تو نہ صرف جموں وکشمیر کے پنڈتوں، بلکہ سبھی بھارتی شہریوں کے لیے راہداری کھلنی چاہیے''۔

چند برس قبل ہندو قوم پرستوں کی مربی تنظیم راشٹریہ سیویم سنگھ (RSS) کی ایک شاخ کی

طرف سے دہلی اور جموں میں ایک تقریب میں آزاد کشمیر کے کسی فارسٹ کنزویٹر رئیس احمد کی طرف سے بذریعہ ڈاک ارسال کی گئی، 'شاردا پیٹھ مندر' کی مٹی کی پوجا کی گئی۔ اس موقعے پر کشمیریوں اور پاکستان کے خلاف جارحانہ تقریریں بھی ہوئیں۔ مقررین نے لائن آف کنٹرول کو کھولنے کا مطالبہ کیا، تاکہ بھارت سے ہندو زائرین جوق در جوق اس مندر کی زیارت کرسکیں۔ (ویسے تو اس کنزویٹر کے خلاف قانونی چارہ جوئی ہونی چاہیے کہ آثارِ قدیمہ کی ایک یادگار کی اس نے غیر قانونی طور پر کھدائی کر کے مٹی کیوں نکالی)۔ مظفر آباد سے ۱۵۰ کلومیٹر اور سری نگر سے ۱۳۰ کلومیٹر دُور شمال میں اٹھ مقام اور دودنیال کے درمیان، شاردا کھنڈرات کو، کشمیر کی مبینہ طور پر پانچ ہزار سال پرانی تہذیب کا گواہ قرار دیا جارہا ہے، جو نیلم اور مدھومتی کے سنگم پر واقع ہے۔ چارلس ایلیسن بیٹس نے ۱۸۷۲ء میں جب 'گزیٹئر آف کشمیر' ترتیب دیا، تو اس مقام پر ایک قلعے کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ قلعہ سے ۴۰۰ گز کی دُوری پر ایک مندر کے کھنڈرات ملے۔ بیٹس اور والٹر لارنس، جنھوں نے کشمیر کے قریہ قریہ گھوم کر معمولی سے واقعات تک قلم بند کیے ہیں، انھوں نے کہیں بھی 'شاردا مندر کی یاترا' کا ذکر نہیں کیا ہے۔

بھارت میں ہندوقوم پرست آرایس ایس کی طرح پاکستان میں بھی آج کل تاریخ کو توڑ مروڑ کر ازسرِ نو لکھنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ بھارت میں یہ کام ہندو انتہا پسندوں کا خاصہ ہے، لیکن پاکستان میں یہ کام وہ افراد کررہے ہیں، جن پر اپنے آپ کو اعتدال پسند اور روشن خیال کہلوانے کا خبط سوار ہے۔ ان افراد کا کہنا ہے کہ: '۱۹۴۷ء سے قبل امرناتھ کی طرز پر اس علاقے میں بھی ہندو یاترا ہوتی تھی'۔ اگر ایسا ہوتا تو لارنس اور بیٹس کے گزیٹئر میں اس کا ضرور ذکر ہوتا۔

۱۳۷۲ء میں میر سید علی ہمدانی کے آمد تک کشمیر میں وقتاً فوقتاً بدھ مت اور ہندو شیوازم کے درمیان انتہائی کشیدگی جاری تھی۔ اور وہ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کو مسمار کرتے رہتے تھے۔ اس خطے میں اسلام کی عوامی پذیرائی کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی۔ کشمیر میں ۱۲۶۰ قبل مسیح میں سریندرا پہلا بدھ بادشاہ تھا۔ ۲۳۲ قبل مسیح اشوکا کی حکومت کے خاتمے کے بعد راجا جالو نے ہندو شیوازم قبول کیا، تو اس نے بدھ مت پر ایک قیامت توڑ دی۔ بدھ اسٹوپوں اور دانش گاہوں کو تاراج کر کے شیو مندر بنائے گئے۔ ۶۳ء میں دوبارہ بدھ مت کو عروج حاصل ہوا۔ راجہ کنشک

کے عہد میں بارہمولہ کے کانس پورہ میں چوتھی بدھ کونسل منعقد ہوئی اور بدھ مت کے ایک لبرل مہایانہ فرقہ کی بنیاد ڈالی گئی، جو چین اور کوریا میں آج بھی رائج ہے۔ ساتویں صدی میں چینی سیاح اور بھکشو ہیون سانگ جب یہاں سیر کے لیے آیا تو اس کے مطابق: 'سرینگر سے وادی نیلم کے علاقے میں سو بدھ عبادت گاہیں اور پانچ ہزار بھکشو موجود تھے'۔ بدھ مت کو چیلنج دینے کے لیے آٹھویں صدی میں کیرالا کے ایک ہندو برہمن آدی شنکر نے بیڑا اٹھایا۔ پورے خطے میں گھوم پھر کر اس نے ہندوازم کا احیا کرایا۔ جہاں اس نے بدھ بھکشوؤں کے ساتھ مکالمہ کر کے ان کو ہرایا، وہاں اس نے 'شاردا' یعنی 'علم کی دیوی' کے نام پر چند مندر تعمیر کروائے، جن میں سب سے بڑا مندر کرناٹک میں دریاے تنگ کے کنارے سرنگری میں واقع ہے۔

اگرچہ اس علاقے کو ہندو زائرین کے لیے کھولنے اور انھیں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کا موقع فراہم کرنے میں بظاہر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ مگر جو لوگ اس کی وکالت کر رہے ہیں، انھیں چندمنٹ جنوبی کشمیر میں امرناتھ اور شمالی بھارت کے صوبہ اترا کھنڈ کے چار مقدس مذہبی مقامات بدری ناتھ، کیدارناتھ، گنگوتری اور یمنوتری کی مذہبی یاترا کو سیاست اور معیشت کے ساتھ جوڑنے کے مضمرات پر بھی غور کرنا چاہیے۔

ایک عشرہ قبل تک امرناتھ یاترا میں محدود تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے، لیکن اب ہندو قوم پرستوں کی طرف سے چلائی گئی مہم کے نتیجے میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ آتے ہیں۔ سال بہ سال ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس یاترا کو فروغ دینے کے پیچھے کشمیر کو دراصل ہندوؤں کے لیے ایک مذہبی علامت کے طور پر بھی ابھارنا ہے، تاکہ کشمیر پر بھارت کے دعوے کو مزید مستحکم بنانے کا جواز پیدا کیا جاسکے۔ بھارت کے موجودہ قومی سلامتی مشیر اجیت دوبال نے تو کشمیر کو سیاسی مسئلے کے بجاے تہذیبی جنگ قرار دیتے ہوئے کہا ہے: ''اس مسئلے کا حل ہی تہذیبی جارحیت اور اس علاقے میں ہندوازم کے احیا میں مضمر ہے''۔

ایک باضابطہ منصوبہ کے تحت کشمیر کی پچھلی ۷۶۴ سال کی مسلم تاریخ کو ایک 'تاریک دور' کے بطور پیش کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں کشمیری زبان کے اسکرپٹ کو فارسی سے دوبارہ 'قدیمی شاردا' میں تبدیل کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ: ''اگر کشمیری کا

اسکرپٹ واپس شاردا میں لانا ہے، تو سنسکرت اور دیگر زبانوں کا اسکرپٹ بھی تبدیل کرو۔ کشمیری کی طرح سنسکرت بھی قدیم زمانے میں شاردا اسکرپٹ میں ہی تحریری کی جاتی تھی'۔

امرناتھ علاقے میں ۱۹۹۶ء میں برفانی طوفان کی وجہ سے ۲۰۰ سے زائد ہندو یاتریوں کی موت ہوگئی تھی۔ اس حادثے کی انکوائری کے لیے بھارتی حکومت کی وزارت داخلہ کی طرف سے مقرر کردہ 'ڈاکٹر نتیش سین گپتا کی قیادت میں' ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یاتریوں کو ایک محدود تعداد میں کرنے کی سفارش کی تھی۔ اس کمیٹی کی سفارش کی بنیاد پر ریاستی حکومت نے یاتریوں کی تعداد کو ضابطے کا پابند بنانے کی جب کوشش کی، تو بزعم خود ہندو دھرم کے محافظ بعض ہندو رہنماؤں نے اسے مذہبی رنگ دے کر ان کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ حد تو اس وقت ہوگئی جب ۲۰۰۵ء میں کشمیر کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ مرحوم مفتی محمد سعید نے اپنے دور میں گورنر ایس کے سنہا کی طرف سے یاترا کی مدت میں اضافے کی تجویز پر اعتراض کیا، تو ان کی کابینہ کے تمام ہندو وزیروں نے استعفے پیش کر دیے۔ دوسری طرف ہندو شدت پسند لیڈروں نے بھی پورے ملک میں مہم شروع کر کے بڑے پیمانے پر ہندوؤں کو امرناتھ یاترا کے لیے راغب کرنا شروع کر دیا۔ اتراکھنڈ کے چار دھام کی طرح آج امرناتھ کو بھی سیاحت اور بھارت کی شدت پسند قومی سیاست کے ساتھ جوڑنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ تاکہ ماحولیات کے لحاظ سے اس نازک خطے میں لاکھوں یاتریوں کی یاترا کو ممکن بنانے کے لیے سڑکیں اور دیگر سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ حتیٰ کہ بھارت کی سپریم کورٹ نے بھی یہاں پر یاتریوں کے لیے ایک ٹریک بنانے کا حکم دے ڈالا، مگر دوسری جانب یہی عدالت دیگر مقدمات میں ماحولیات کو بچانے کے لیے سخت موقف اختیار کرتی ہے۔

سابق گورنر ایس کے سنہا تو ہر تقریب میں اعلان کرتے تھے کہ: ''میں اس علاقے میں ہندوؤں کے لیے مخصوص شاردا یونی ورسٹی' قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں''۔ اسی لیے انھوں نے جنگل والی زمین کا ایک وسیع قطعہ 'امرناتھ شرائن بورڈ' کے سپرد کیا تھا۔ اس فیصلے نے ۲۰۰۸ء میں کشمیر کے طول و عرض میں آگ لگادی۔ 'امرناتھ مندر بورڈ' کے خلاف، وادی کے عوام کا جو غصہ پھوٹا اس کا تعلق ہندو مسلم مسئلے سے قطعی نہیں تھا۔ ۱۸۶۰ء سے ہی جب امرناتھ کی یاترا کا آغاز ہوا، مسلمان

اس کے نظم و نسق اور اسے حسن و خوبی کے ساتھ تکمیل تک پہنچانے میں اہم رول ادا کرتے آرہے ہیں۔لیکن گورنر سنہا نے امرناتھ مندر بورڈ کے چیئرمین کا عہدہ سنبھالتے ہی سب سے پہلا کام بٹ گنڈ گاؤں کے مسلمان چرواہوں کے پیٹ پر لات مارنے کا کیا۔ حالاں کہ پچھلے تقریباً ڈیڑھ سو سال سے یہی چرواہے ہندوؤں کے اس مقدس مقام کی نگرانی کرتے آرہے تھے۔ جنرل سنہا کے پرنسپل سکریٹری اور 'امرناتھ شرائن بورڈ' کے سربراہ ارون کمار نے یہاں چھوٹی چھوٹی دکانیں لگا کر اپنی روزی کمانے والوں سے ان کا روزگار بھی چھین لیا۔جس زمین کے وہ بے چارے مالک تھے، انھی سے 'جزیہ' وصول کرنا شروع کر دیا۔اس علاقے کی مقامی آبادی کا امرناتھ مندر سے کتنا گہرا تعلق ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۹۵ء میں جب حرکت الانصار نامی تنظیم نے امرناتھ یاترا کے نظم و نسق میں مسلمانوں کی شمولیت پر پابندی لگانے کا اعلان کیا تو مسلمانوں نے ہی بڑے پیمانے پر اس کی مخالفت کی اور اسے ۱۲دن کے اندر ہی اپنا حکم واپس لینا پڑا۔ اب تو مقامی مسلمانوں اور تاجروں کو اس یاترا کے انتظام سے پوری طرح بے دخل کر دیا گیا ہے۔

بہرحال ہر سال لاکھوں یاتریوں کے امرناتھ آنے کی وجہ سے ماحولیات پر بھی خاصا بُرا اثر پڑ رہا ہے۔۲۰۰۵ء میں مشہور ماہر ماحولیات پروفیسر ایم این کول کی قیادت میں ملک کے چوٹی کے ماہرین ماحولیات نے اپنی ایک رپورٹ پیش کی، جس میں کہا کہ: ''اگر بال تل کے راستے امرناتھ کے مقدس گپھا تک ہزاروں یاتریوں کی آمدورفت کا سلسلہ یوں ہی جاری رہا، تو ماحولیات اور گلیشیر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا''۔لیکن اس مشورے پر کان دھرنے کے بجاے بھارتی حکومت زیادہ سے زیادہ یاتریوں کو بال تل کے راستے ہی امرناتھ بھیج رہی ہے۔ بھارتی حکومت نے اگرچہ بیشتر دریاؤں اور ندیوں کے منبع یعنی گنگا کے گلیشیروں کی حفاظت کے لیے متعدد اقدامات کیے ہیں، لیکن وادی کشمیر اور پاکستان کو پانی فراہم کرنے والے سندھ طاس گلیشیر کی تباہی پر وہ ذرا بھی فکرمند نہیں نظر آتی ہے۔ ۲۰۰۸ء میں ہی اتراکھنڈ صوبے میں ماحولیات کے تحفظ کے لیے وہاں پر اس وقت ہندو قوم پرست بی جے پی حکومت نے ایک حکم نامہ جاری کیا، جس کی رو سے ہر روز صرف ۲۵۰ سیاح اور زائرین دریائے گنگا کے منبع گومکھ گلیشیر جا سکتے ہیں۔اس کے برعکس سندھ طاس کو پانی فراہم کرنے والے کشمیر کے کولہائی گلیشیر کے ساتھ موازنہ کریں، تو وہاں ہر روز

امرناتھ یاترا کے نام پر اوسطاً ۲۰ ہزار افراد مئی اور اگست کے درمیان اسے روندتے ہوئے نظر آئیں گے۔

نتیش سین گپتا کمیٹی نے ۱۹۹۶ء میں اپنی سفارشات میں یہ بھی کہا تھا کہ: ''امرناتھ کی ایک مہینے کی یاترا کے دوران صرف ایک لاکھ یاتریوں کو جانے کی اجازت دی جائے''۔لیکن حکومت نے پہلے تو یاترا کی مدت ایک ماہ سے بڑھا کر دو ماہ کردی۔اس کے بعد یاتریوں کی تعداد کو محدود کرنے سے انکار کردیا۔۲۰۱۸ء میں تقریباً ساڑھے چھے لاکھ یاتریوں نے امرناتھ کی یاترا کی تھی۔آیندہ برسوں میں یہ تعداد ۱۰لاکھ تک پہنچ جانے کا اندازہ ہے۔گپتا کا کہنا تھا کہ: ''یاترا کے دوران ایک وقت میں ایک جگہ صرف ۳ہزار یاتریوں کو ٹھیرانے کی اجازت ہونی چاہیے''۔مگر آج حالت یہ ہے کہ پہلگام جیسی چھوٹی سی جگہ پر، جو یاترا کا ایک بیس کیمپ بھی ہے، ۲۰ہزار سے ۵۰ہزار تک یاتری جمع ہوجاتے ہیں۔ماہرین ماحولیات کہتے ہیں کہ: ''ایسے وقت میں جب کہ دنیا موسمیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے ایک نئی آفت سے دوچار ہونے والی ہے اوراس مصیبت کو ٹالنے کے لیے دنیا کے بیش تر ممالک پہاڑی علاقوں میں سیاحوں کی آمد کو بھی ریگولیٹ کررہے ہیں۔حکومت بھارت کو بھی چاہیے تھا کہ کشمیر کے قدرتی ماحول کو برقرار رکھنے کے لیے امرناتھ میں یاتریوں کی تعداد کو ریگولیٹ کرنے کی تجویز پر مذہبی نقطۂ نگاہ کے بجاے سائنسی نقطۂ نگاہ سے غور کرے''۔

آزاد کشمیر اور پاکستان میں مقیم ان دانش وروں اور زعما سے بھی گزارش ہے کہ جو 'شاردا پیٹھ' کو زائرین کے لیے کھولنے کی وکالت کر رہے ہیں: ''کہیں اٹھ مقام اور دودنیال کی سرسبز چراگاہیں دوسرا پہلگام اور بال تل نہ بن جائیں اور حریص طاقتیں ان کو سیاست ومعیشت کے ساتھ جوڑ کر کسی سانحے کا سامان پیدا نہ کریں''۔روشن خیالی تو ٹھیک ہے، مگر اس کے ساتھ شرارت کی نیت سے اگر بے ضمیری شامل ہوجائے تو یہ زہر ہلاہل بن جاتی ہے!